سورہ بنی اسرائیل کے اہم موضوعات

ڈاکٹر غلام مرتضی ملک

اس سورہ کا علامتی نام "بنی اسرائیل" رکھا گیا کیونکہ اس سورہ میں بنی اسرائیل کو تنبیہہ کی گئی ہے۔ اس سورہ کا نام "الاسراء" ہے کیونکہ اس سورہ کے آغاز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سفر معراج کے ابتدائی مرحلے کا ذکر ہے۔

شان نزول

یہ سورہ سفر معراج کے بعد نازل ہوئی۔ جس کی تفصیلات سیرت و حدیث کی کتب میں مذکور ہیں۔

مضامین

نبی اکرم ﷺ کی مسلسل دعوت کے نتیجے میں خطہ عرب کے ہر گوشے میں اسلام کا پیغام حق پہنچ چکا بلکہ مخلصین کی ایک جماعت کے علاوہ مدینہ منورہ کے طاقتور قبائل اوس و خزرج کے متعدد افراد بھی آپ کے جان نثاروں میں شمولیت اختیار کر چکے تھے اور اب حالات ایک آزاد اور خود مختار مملکت کے قیام کے لئے ساز گار ہو رہے تھے۔ ایسے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرائی گئی اور آپ کو انسانی سعادت و عظمت اور فوز و فلاح کے لئے وہ اصول بتائے گئے جو ایک فلاحی معاشرے کے تمدن کی بنیاد ہیں۔

اس سورہ میں کفار مکہ کو بنی اسرائیل کے حالات و واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا بھی سبق دیا گیا کیونکہ اس دوران کفار مکہ ابتلاء و آزمائش کا شکار ہو چکے تھے۔ اس لئے تنبیہہ کی گئی کہ اگر اب

بھی تم نے راہ ہدایت کو نہ پایا تو بنی اسرائیل کی طرح تمہارا نام و نشان مٹا کر دوسری قوموں کو ان تعلیمات کا امین بنا دیا جائے گا اور اگر اب تک تمہیں قرآن کی صداقت پر یقین و اعتماد نہیں تو تم خود اس کی مثل بنا کر پیش کرو اور یاد رکھو کہ تم یقیناً ایسا نہ کر سکو گے۔ توحید و آخرت کے برحق ہونے پر دلائل کے تذکرے کے بعد منکرین اسلام کو عذاب سے ڈرایا گیا۔ بایں ہمہ نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو مشکلات میں صبر و استقامت کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی ہدایت کی۔ کفار کی ہٹ دھرمی اور تکذیب کا مقابلہ کرنے کو کہا گیا اور ان مشکلات کو برداشت کرنے کے لئے ایک بہترین علاج تجویز کیا گیا کہ نماز کے ذریعہ صفات عالیہ سے اپنے آپ کو متصف کر لو۔ یہ تزکیہ نفس اور مجاہدہ کا بہترین ذریعہ ہے نیز اسی سورہ میں نماز پنجگانہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِی اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیلاً مِنَ المَسْجِدِ الحَرَامِ اِلیَ المَسْجِدِ الاَقصٰی الَّذِی بٰرَکنَا حَولَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیعُ العَلِیم

پاک ہے وہ ذات جو ایک رات میں اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل : ۱)

عظمت نبویؐ اور مقام عبد

نبی کریمؐ کو یہ مقام نصیب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسراء اور معراج کی سعادت نصیب فرمائی۔ اسراء تو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ جانے کا نام ہے اور مسجد اقصیٰ سے آگے جو منزلیں ہیں' وہ معراج کہلاتی ہیں۔ ہر نبی کو معراج ہوتی ہے۔ لیکن حضورؐ کو جو مقام' عظمت' رفعت اور قرب الٰہی کی سعادت ملی' وہ کسی اور نبیؑ کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس کا بڑا اور اصل سبب یہ ہے کہ آپ سید الرسل' خاتم الانبیاء' سید ولد آدم' سید البشر اور خاتم المعصومین ہیں لیکن یہاں جو لفظ استعمال ہوا ہے' وہ عبد ہے۔ اس میں ایک بہت ہی عجیب نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت شان یا آپ کو کوئی بہت بڑی نعمت دینے کا ذکر کیا ہے' وہاں خاص طور پر عبد کے لفظ سے خطاب کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْراً

پاک وہ ذات جس نے اپنے بندے (عبد) پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا بن جائے۔ (الفرقان : ۱)

اسی طرح جب ہم کلمہ شہادت کے ذریعے ایمان کا اظہار کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں' وہاں آپ کی عبدیت کی بھی شہادت دیتے ہیں۔

اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں

کائنات میں اللہ کے بعد عبدیت کا مقام سب سے زیادہ بلند ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ جو صاحب کشف ہیں فرماتے ہیں کہ "ہم نے ولایت کی منزلیں طے کی ہیں اور طے کرنے کے بعد پتہ چلا کہ جہاں تمام اولیاء اللہ اور صحابہ کرام کی منزلیں ختم ہو جاتی ہیں تو وہاں سے عبدیت کا مقام شروع ہوتا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں"

عبد دیگر عبدہ' چیزے دگر
ایں سراپا انتظار او منتظر

گویا عبد اور چیز ہے اور عبدہ' اور چیز۔ عبدہ کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔ "عبد" اللہ تعالیٰ کا انتظار کرتا ہے اور عبدہ' کا انتظار کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید اور ہمہ پہلو ہدایت

قرآن مجید چونکہ دنیوی اور اخروی نعمتوں کو جمع کرنے اور زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کے لئے نازل ہوا اس لئے سورہ بنی اسرائیل کی آئندہ آیات میں معاشرتی زندگی کے ہر پہلو پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ آیئے ترتیب وار ان کا معالعہ کرتے ہیں۔

پہلا حکم : توحید باری

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ

اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت

نہ کرو۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

۱۔ حقوق اللہ ' ۲۔ حقوق العباد

اس کی مزید تقسیم یوں ہوگی کہ حقوق اللہ میں دو چیزیں ہیں۔

۱۔ عقیدہ ۲۔ عبادت

۱۔ عقیدہ

ایمان کے سارے بنیادی عقائد پر یقین کرنا ضروری ہے جن کو اجمالاً" ایمان مجمل میں ذکر کیا گیا ہے کہ "میں اللہ پر ایمان لاتا' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' آخرت کے دن پر اور تقدیر پر۔"

۲۔ عبادت

سارے مناسک کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص کرنا۔ اس میں مختلف ارکان و اعمال ہیں۔ مثلاً" نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج۔

اسی طرح حقوق العباد میں دو چیزیں ہیں۔

۱۔ اخلاق ۲۔ معاملات

۳۔ اخلاق

عقیدہ اور عبادت میں صحت اور پختگی کے نتیجے میں ایک مسلمان کی عادات و اطوار درست ہو جاتی ہیں اور وہ عمل ہر شخص کو راحت پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے اور کسی کے لئے ایذا کا سبب نہیں بنتا۔ اس کی شخصیت تمام رذائل خلقیہ سے پاک ہو جاتی ہے۔

۴۔ معاملات

معاملات میں امانت اور دیانت' دینداری کا اصل منشا اور اس کی پہچان ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدین المعاملہ "دین دراصل معاملات کے درست ہو جانے کا نام ہے"

مذکورہ آیت کریمہ میں انتہائی اختصار کے ساتھ عقیدہ اور عبادت کو جمع کر دیا گیا کہ تمہارے رب کا فیصلہ اور حکم ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔

دوسرا حکم: والدین کے ساتھ حسن سلوک

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرُ اَحَدُهُمَا اَوْ
كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا
كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ
ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيرًا

اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہو اور نہ ہی جھڑکو اور ان سے ادب کے ساتھ بات کرو' عجز و نیاز کے ساتھ ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے رب ! جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا تو بھی ان (کے حال) پر رحم کر۔ (بنی اسرائیل : ۲۳-۲۴)

اس آیت کریمہ میں جس خوبی اور اختصار کے ساتھ والدین کے معاملے میں حقیقت اور تفصیل درج کی گئی' اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں بس یہ یاد رہے کہ قرآن مجید میں جا بجا اور احادیث مبارکہ میں ان گنت مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔

ماں باپ کے بارے میں نبی کریمؐ کا فرمان ہے :

"جنت ماں کے قدموں تلے ہے"

اس طرح باپ کے بارے میں نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے :

"رب کی رضا والد کی رضا اور رب کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے"

اس مقام پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر والدین ایسا حکم دیں کہ جس پر عمل کے باعث شرک یا اللہ کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو تو ایسا حکم نہ ماننا چاہیے۔ البتہ دنیوی معاملات و معاشرت میں حسن سلوک بہر حال لازم ہے۔

تیسرا حکم : اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

اور رشتہ داروں' محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو (بنی اسرائیل : ۲۶)

حقوق العباد کی ادائیگی کے ضمن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مندرجہ ذیل حضرات کے حقوق ادا کرو :

(ا) اہل قرابت -- اس میں سبھی رشتہ دار اور پڑوسی آتے ہیں' ان کا حق ادا کرو

(ب) مساکین -- وہ لوگ جو اپنی حوائج ضروریہ کی تکمیل کا سامان خود مہیا نہیں کر پاتے اور اپنی خود داری کے باعث سوال سے بھی باز رہتے ہیں۔

(ج) مسافر -- دوران سفر جب آدمی غریب الدیار اور بے وطن ہو جاتا ہے تو بسا اوقات اس کو مالی مشکلات گھیر لیتی ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی آدمی صاحب ضرورت ہو تو اس کی ضرورت پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چوتھا حکم: فضول خرچی سے بچو

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُسْرِفُوا

اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ (بنی اسرائیل: ۲۶)

اس آیت کریمہ میں بلا ضرورت خرچ کرنے بلکہ ضائع کرنے سے روکا گیا ہے اور اس کے بعد والی آیت میں اس کی وجہ بھی بتائی کہ بلا ضرورت خرچ کرنا شیطانی عمل ہے اور ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہے۔ اہل ثروت اور صاحب حیثیت لوگوں کو بے جا تقریبات اور غیر شرعی رسوم و رواج پر اپنی دولت کو خرچ نہیں کرنا چاہیے یہ اسراف و تبذیر ہے۔ آخرت میں ہم سے اس کی بابت باز پرس ہوگی۔

پانچواں حکم: میانہ روی

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا

اور نہ تم اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ ہی اسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔ (بنی اسرائیل: ۲۹)

اس آیت میں محاورۃ" بات کہی گئی ہے کہ نہ تو تم بالکل ہی بخیل بن جاؤ کہ کسی ضرورت مند کو بھی نہ دو اور نہ بلا وجہ خرچ اور اسراف کے باعث بدحالی کی راہ اپنے لئے کھولو۔ گویا کہ اس آیت میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے۔

کیونکہ رزق اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطیہ ہے اس کو اس کے احکام کے مطابق ہی خرچ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں کے حالات اور ضرورتوں سے بخوبی آگاہ ہے' اس لئے وہ ایسے احکام دیتا ہے' جو بندوں کی فطرت کے عین مطابق ہوں۔

چھٹا حکم: مفلسی کے باعث اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ

اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو (بنی اسرائیل : ۳۱)

قدیم زمانے کے لوگ افلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبها الصلوۃ والتسلیم کو اس قبیح کام سے روکا گیا بلکہ خاص طور پر آپ ؐ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ:

"ایسی عورتوں کے ساتھ شادی کرو جو محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہوں تاکہ کل صبح قیامت کے دن اپنی امت کی کثرت پر فخر کر سکوں"

اسی سائنسی اور میڈیا کے دور میں برتھ کنٹرول کے لئے کئے جانے والے اقدامات کی تشہیر کے بارے میں بحیثیت مسلم ہمیں غور کرنا چاہیے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم ادارے خصوصا" مسلم ممالک میں برتھ کنٹرول کے ذریعے امت مسلمہ کی تعداد کو محدود کرنا چاہتے ہیں جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں اس کا تصور تک نہیں۔ یہاں تک افلاس اور وسائل کی کمی کا معاملہ ہے' باری تعالیٰ کا اس بارے میں ارشاد مبارک ہے:

نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ

ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں ۔ (بنی اسرائیل : ۳۱)

ساتواں حکم: زنا سے بچو

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً

زنا کے قریب مت جاؤ کہ یہ بے حیائی ہے (بنی اسرائیل : ۳۲)

آیت کریمہ میں یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ "زنا مت کرو" بلکہ فرمان یہ ہے کہ زنا تک پہنچانے والے تمام اعمال اور راستوں کے بھی قریب مت جاؤ کیونکہ اس راہ کی جانب قدم اٹھانا ہی برائی اور بے حیائی ہے۔ اس سلسلہ میں حد یعنی سزا کا ذکر سورہ النور میں ہے۔

آٹھواں حکم: قتل و غارت سے بچو

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور جس جاندار کو مارنا اللہ نے حرام کیا ہے تم اس کو نہ مارو سوائے حق کے۔ (بنی اسرائیل : ۳۳)

اس سے قبل سورہ بقرہ میں قتل کی سزا کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں ایک بات کا اضافہ ہے کہ "حق

کے ساتھ قتل کا جواز ہے" کیونکہ ہر جان اللہ کے ہاں محترم ہے۔ البتہ قصاص' رجم' ارتداد وغیرہ کے مواقع پر جہاں شریعت نے اجازت دی ہے' حکم علیحدہ ہو گا۔

نواں حکم: یتیم کے مال کی حفاظت

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ' علاوہ اس راستے کے جو بہتر ہے۔

(بنی اسرائیل : ۳۴)

دسواں حکم: ایفاء عہد

أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا

وعدے کو پورا کرو کیونکہ وعدے کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ (بنی اسرائیل : ۳۴)

ایفائے عہد کا مسئلہ انفرادی اخلاقیات کا نہیں بلکہ قومی' ملکی اور اجتماعی معاملات بھی اس کی زد میں آتے ہیں۔ اس مسئلے پر ہم پاکستانیوں کو خصوصاً" غور کرنا چاہیے کہ من حیث القوم ہم نے اللہ تعالی کے ساتھ اس برصغیر کی تقسیم کے وقت کیا عہد کیا تھا؟ اگر ہم نے ایفائے عہد نہیں کیا اور یقیناً" ہم ایسا نہیں کر سکے تو ہم اللہ کے حضور کس طرح جواب دہی کے لئے کھڑے ہو سکیں گے؟

گیارھواں حکم: ناپ تول پورا کرنا

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ

اور جب کوئی چیز ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھو۔ (بنی اسرائیل : ۳۵)

سورہ الاعراف میں قوم شعیب کی تباہی کے اسباب کے ذیل میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ وہ قوم ناپ تول میں کمی کے گناہ کی پاداش میں ہلاک کی گئی تھی۔ کیونکہ یہ معاملہ فرد کا نہیں بلکہ پورے معاشرے اور حکومت کا بھی ہے کہ وہ تجارت میں گاہک اور دکاندار کے درمیان لین دین اور ناپ تول کے نظام کو عدل و توازن کی بناء پر درست رکھے اور یہ اجتماعی خوشحالی کے لئے بنیاد ہے۔

بارھواں حکم: اعضاء رئیسہ (کان' ناک اور دل) کی حفاظت

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو تو یقیناً" آنکھ'
کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہوگی۔ (بنی اسرائیل : ۳۶)

اس آیت کریمہ میں جو ہدایت ہے' اس کے ذریعے معاملات زندگی اور ان تمام خرابیوں کا انسداد کیا گیا جو یقینی علم کی بجائے ظن و تخمین کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں۔ گویا عمومی زندگی میں افواہیں پھیلانے' تہمت و الزام تراشی کرنے اور غیب و بدگمانی سے بچنے کا حکم ہے۔ نیز اعتقادی معاملات میں اوہام پرستی کی بھی بیخ کنی اسی سے ہوتی ہے۔

تیرہواں حکم: اترا کر نہ چلو

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا"

زمین پر اکڑ کر نہ چلو کیونکہ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔ (بنی اسرائیل : ۳۷)

متکبرانہ چال ڈھال اور اکڑ کر چلنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ حکم زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے کہ چال ڈھال' لباس و پوشاک' سواری اور مکان ہر شے میں انکساری اور عاجزی ہونی چاہیے۔

ان احکام کے ذکر کے بعد ایک عمومی قاعدہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہی گناہ کے کام نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی ہر وہ چیز جس میں برائی اور کراہت کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہو' وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسند ہے اور یہ ساری باتیں جو انسانیت کی معراج تک پہنچانے والی ہیں' نبی کریم ﷺ پر وحی کی گئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَۃِ

یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تیرے اوپر وحی کی ہیں۔ (بنی اسرائیل : ۳۹)

کائنات کی تسبیح و تحمید

عام انسانی زندگی میں عظمت و بلندی تک لے جانے والے اعمال کے ذکر کے بعد شرک کی قباحت تفصیلاً" بیان کی گئی اور قرآن کریم نے اس بات کو مختلف انداز اور پیرایوں میں ذکر کیا اور پھر ایک لطیف سی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ وحدہ' لا شریک کی حمد و ثنا تو کائنات کی ہر چیز کرتی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ

اور مخلوقات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف کے ساتھ
تسبیح نہ کرتی لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ (بنی اسرائیل : ۴۴)

کائنات کی ہر چیز' ساتوں ارض و سما اور جو کچھ اس کے درمیان ہے' اللہ کی تسبیح و حمد کے ساتھ بیان کر رہی ہے۔ لیکن ہم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں انسان اور حیوان تو جاندار ہیں۔ انسان ذی عقل ہیں۔ حیوانات تو ذی عقل بھی نہیں۔ وہ کیسے تسبیح و حمد کرتے ہیں اور پھر دنیا میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو بے جان ہیں مثلاً" پتھر' جمادات' پانی' مٹی' ہوا' پہاڑ' سمندر یہ سب کیسے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صرف انسان وہ مخلوق ہے جس کو اللہ نے سوچ' ارادہ اور عمل کی آزادی دی ہے' چاہے اللہ سے محبت و اطاعت کرے اور چاہے نافرمانی۔ لیکن دنیا کی باقی چیزیں اس طرح آزاد نہیں ہیں۔ وہ نظام فطرت کے پابند ہیں۔ سورج کی مجال نہیں کہ وہ وقت سے ایک سیکنڈ پہلے طلوع یا غروب ہو۔ ستاروں کی مجال نہیں کہ وہ اپنے مدار سے ادھر ادھر ہو جائیں بلکہ وہ ہر وقت اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں اور اطاعت کا نام ہی عبادت ہے۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید ایسی بات کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح ہم تسبیح و حمد پڑھتے ہیں۔ (سبحان اللہ وبحمدہ) اسی طرح یہ بے جان چیزیں بھی سبحان اللہ و بحمدہ پڑھ رہی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ بے جان چیزیں بھی جاندار رہی ہوں اور قرآن مجید ایسی ہی بات کہ رہا ہے کہ تسبیح و حمد کے معاملہ میں یہ بے جان بھی جاندار ہیں۔

سائنسی تحقیق کی مشکلات

اس دور کی سائنس پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس سائنس نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔ پہلے سائنس دان یہ ثابت کرتے رہے کہ یہ جسم مادہ (matter) ہی نہیں بلکہ اس میں روح بھی ہے۔ اہل منطق اور فلسفہ نے روح کو ثابت کرنے کے لئے بہت دلائل دیئے۔ لیکن ۲۰ ویں صدی میں یہ مشکل در پیش ہے کہ روح کا وجود تو ثابت ہو گیا مگر مادے کا وجود ثابت نہیں ہو رہا اور ہم ایک نئی مشکل میں پھنس گئے۔ اگر ہم کسی بھی مادی چیز کا تجزیہ (Analysis) کریں تو ایٹم بچے گا اور ایٹم کی تحلیل سے الیکٹران اور پروٹان۔ مادہ تو ختم ہوگیا اور برق پارے درمیان میں آگئے ۔ انرجی' روح (Suol) قوت' طاقت (Spirit) آگئی۔ ہر چیز کی اصل بنیاد ایٹم اور ایٹم کی بنیاد الیکٹران اور پروٹان ہے۔ گویا اصل وجود انرجی کا ہے۔ مادہ (Matter) کا وجود تو ایک مظہر ہے۔ اس لحاظ سے دنیا کی کوئی

چیز بھی جان نہیں۔ اگر انسان کے وجود کو تحلیل کریں تو بھی الیکٹران اور پروٹان ہی رہ جائے گا۔ سونے کی تحلیل کریں تو وہ بھی الیکٹران اور پروٹان ہے۔ حاصل یہ کہ نسبت کا فرق ہے۔ ایک الیکٹران ہو اور ۸ پروٹان ہوں تو ایک خاص چیز کا ایٹم بن جاتا ہے۔ ایک الیکٹران اور ۷ پروٹان ہوں تو کوئی اور چیز بن جاتی ہے۔ صرف نسبت بدلنے سے چیز بدل جائے گی۔ گویا اصل چیز تو الیکٹران اور پروٹان ہیں اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہی انرجی' برق پارے یا طاقت کو ہم Soul بھی کہہ سکتے ہیں اور روح بھی۔ گویا اصل وجود تو روح ہی کا رہ گیا اور مادہ کا وجود ختم۔ اس لحاظ سے کوئی چیز بھی بے جان نہیں ہے۔ کوئی زیادہ جاندار ہے اور کوئی کم جاندار۔ کسی کی انرجی زیادہ اور کسی کی انرجی کم۔ صرف یہی فرق ہے۔ اور یہی قرآن کہہ رہا ہے کہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے خواہ وہ جاندار یا بے جان مگر وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے' اس کی حمد کے ساتھ۔ بات یہ ہے کہ ہم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

ابلیس کا چیلنج

لَاَحۡتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗۤ اِلَّا قَلِیۡلًا

میں تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ اس کی اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔

(بنی اسرائیل : ٦٢)

باری تعالیٰ نے اس کے چیلنج کے جواب میں فرمایا :

اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ

جو میرے بندے ہیں' ان پر تیرا کوئی زور نہ چلے گا۔ (بنی اسرائیل : ٦٥)

ابلیسی چیلنج کا مقابلہ کیسے ہو؟

گویا شیطانی حملے سے بچاؤ کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے خالق کے بندے بن جائیں اور یہ بات کوئی ایسی مشکل بھی نہیں۔ بڑا آسان معاملہ ہے۔ ہم اپنی زندگی کو اپنی خواہش کی بجائے اللہ کے حکم کے مطابق گزارنے لگیں تو ہم اس کے بندے بن جائیں گے اور اس میں مزید لطف کی بات یہ ہے کہ پھر ہم جواب طلبی سے بھی ایک حد تک محفوظ ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے کوئی عمل اپنی مرضی سے کیا ہی نہیں ہوگا' جو رب کا حکم تھا' ہم نے وہی کیا اور یہی بندگی ہے اور اسی بندگی کے جواب میں انعام ہوا۔

بنی آدم کی تکریم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا

اور ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی۔ ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور ہم نے ان کو پاکیزہ روزی بھی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو فضیلت دی۔ (بنی اسرائیل: ۷۰)

انسان نے اپنے مقام کو بہت حد تک گرا دیا تھا۔ یہاں پھر اس کے بلند اور صحیح مقام کا ذکر ہوا کیونکہ انسان اپنے آپ کو ذات پات کی بندشوں کی بنیاد پر کئی ذاتوں میں تقسیم کر لیا اور یہ عقیدہ گھڑا کہ کچھ لوگ بھگوان کے سر سے پیدا ہوئے ہیں۔ کچھ بھگوان کے پاؤں سے۔ جو سر سے پیدا ہوئے وہ ہمیشہ کے لئے پاک اور پوتر ہیں۔ وہ چوری کریں' جھوٹ بولیں' شراب پئیں' زنا کریں' وہ پاک کے پاک ہیں۔ اور بے چارے شودر جو پاؤں سے پیدا ہوئے وہ ہمیشہ کے لئے ناپاک ہیں کیونکہ وہ پیدا ہی ناپاک ہوئے ہیں۔ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) دوسری جانب یہ عقیدہ گھڑا گیا کہ حضرت آدمؑ سے لغزش ہوئی اور یہ لغزش ایسا گناہ ہے جو نسل در نسل' پشت در پشت منتقل ہوتے ہوتے ہم تک پہنچ گیا ہے۔ وہ گناہ اتنا بڑا تھا کہ کروڑوں انسانوں میں تقسیم ہو کر بھی وہ تحلیل نہیں ہوا وہ اتنا بڑا گناہ تھا کہ ہمارے بابا آدم علیہ السلام سالہا سال تک روئے' معافیاں مانگیں مگر معاف ہی نہیں ہوا۔ اس سے یہ نظریہ بنا لیا کہ انسان پیدائشی گناہ گار ہے (Born Sinner) ہے۔ اور تقسیم یوں کی کہ مرد انسان تو پیدائشی گناہ گار ہے! رہ گئی عورت تو وہ شیطان کا روپ ہے (لا حول ولا قوۃ الا باللہ)

چنانچہ حضورؐ کی بعثت سے پہلے وہ شخص جو روحانی پیشوا ہوتا' وہ کبھی شادی نہ کرتا تھا۔ عورت اس کو نظر آتی تو آنکھیں پھوڑ لیتا کہ اس نظر سے میری ساری روحانیت برباد ہو گئی۔ عورت کے قریب ہونا تو کجا اس کے سائے کے پاس سے بھی نہیں گزرتا۔ اس لئے کہ عورت کو شیطان کا روپ سمجھتا تھا۔ لیکن اس نے یہ ہرگز نہ سوچا کہ اے ناسمجھ! اسی عورت سے تو پیدا ہوا ہے۔ یہ تیری ماں کا روپ ہے' تیری بیٹی ہے' اور تیری بیوی بھی ہو سکتی ہے۔ اتنے مقدس رشتے ہیں اور پھر نا سمجھ' عورت کو منحوس کہتا ہے۔

جاہلوں نے انسان کا رتبہ ایک معمہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو بھیجا تو انسان کی اس تکریم کا ذکر فرمایا کیونکہ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی انسان کو یہ عزت نہ مل سکی ارشاد باری تعالیٰ ہے (

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِىۡٓ اٰدَمَ) کہ ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔

یہاں رک کر پھر غور فرمائیے کہ یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے ولی کو عزت بخشی' یا ہم نے نبی کو یا رسول کو عزت بخشی یا ہم نے مومن کو اور مسلمان کو عزت بخشی بلکہ سب ہی انسانوں کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے بنی نوع انسان کو عزت بخشی۔ یہ عزت کا پرتو ہی ہے کہ ہم انسان کو خشکی' تری اور ہواؤں میں اٹھاتے پھرتے ہیں۔ ہم نے اس کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا۔ اختیارات دیئے' امانت عطا کی۔ یعنی انسان ہمارا امانت دار ہے ۔ ہم نے ایسی امانت اس کے حوالے کی جو آسمانوں' پہاڑوں اور زمین کو پیش کی تو سارے ہی ڈر کے بھاگ گئے کسی نے بھی اس امانت کا بوجھ نہ اٹھایا۔ جبکہ انسان نے اس امانت کو اٹھالیا اور انسان امانت دار بن گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ٹرسٹی (Trustee) ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مِّنۡهُ

آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے' اسے ہم نے تمہارا تابع کر دیا۔ (الجاثیہ : ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزت عطا کی ہے' وہ حضور اکرم ﷺ اور قرآن مجید کے ذریعے ملی۔ کسی اور مذہب' کسی اور معاشرے میں انسان کو یہ عزت عطا نہیں کی گئی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زندگی کے سارے معاملات ہی میں قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے اور اس کی روشنی میں چلنے کا حکم دیا ہے۔

بدقسمت انسان کون؟

اگر کوئی محروم انسان اپنی بدبختی کے باعث اس کے قریب نہ آنا چاہے تو اس کے لئے ان الفاظ میں وعید مذکور ہے :

وَمَنۡ كَانَ فِىۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى فَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰى وَاَضَلُّ سَبِيۡلًا

اور جو اس دنیا میں اندھا بن کے رہا' وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا بلکہ راستہ پانے میں اندھے سے بھی زیادہ ناکام ۔ (بنی اسرائیل : ۷۲)

یہ آیت کریمہ ہمیں لرزا دینے کے لئے کافی ہے کہ ہم اس دنیا میں پیغام ربانی سے جان بوجھ کر اندھے بنے ہوئے ہیں اور اس پر ہمیں کسی کی ندامت بھی نہیں اور نہ ہی راستے کی تلاش و جستجو کی

کوئی آرزو ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں آنکھوں سے محروم کر کے اٹھائیں گے۔ سورہ طٰہٰ میں اس پر یوں اضافہ کیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سوال بھی کریں گے کہ یا باری تعالیٰ! ہمیں اندھا کیوں اٹھایا ہے؟ تو جواب ملے گا کہ دنیا میں تم نے ہمارے پیغام کو بھلایا' آج یہ اس کا انجام ہے۔

اوقات صلوٰۃ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس فرض کی بجا آوری اور یاد دہانی کے لئے کس قدر مواقع فراہم کئے ہیں۔ اسی پیغام کی جستجو کے لئے نماز فرض کی گئی جس کی بابت یوں ارشاد ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ اِنَّ
قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ
عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا

آفتاب ڈھلنے کے بعد سے لے کر رات کے اندھیرے تک نمازیں ادا کیا کرو اور فجر کے قرآن کا التزام کرو کیونکہ فجر کے وقت قرآن کا پڑھنا ملائکہ کی حاضری کا سبب ہے اور رات کو تہجد پڑھو۔ یہ تمہارے لئے نفل ہے یقیناً" تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کرے گا۔ (بنی اسرائیل: ۷۸--۷۹)

یہ حکم اہل ایمان کو ثابت رکھنے کے لئے ہے جو نازک حالات میں ایک مومن کے لئے اہم ترین ضرورت اور بہترین ہتھیار ہے۔

اس مقام پر "سورج ڈھلنے" پر نماز کا حکم ہے جس سے مراد ظہر ہے اور "اندھیرے تک" سے مغرب و عشاء کی جانب اشارہ ہے اور قرآن فجر سے صراحتاً" فجر کی نماز کا حکم ثابت ہے۔

قرآن ۔ رحمت و شفاء

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا ہُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ

اور ہم نے قرآن کے ذریعے وہ چیز اتارتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے (بنی اسرائیل: ۸۲)

آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو قرآن کریم کو اپنے لئے رہنما مانتے ہیں تو ان کے لئے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی اور اسی میں ان کی تمام ذہنی' اخلاقی اور نفسیاتی امراض کا علاج ہے۔

مشرکین مکہ کے سوالات اور جواب

اس کے بعد ایک سوال کا جواب ہے۔ پہلے اس کا مختصر پس منظر ضروری ہے۔ کتب حدیث میں ہے کہ جب نبی کریمؐ کی تبلیغ اور مسلسل تعلیم کے باعث مشرکین مکہ تنگ آگئے تو انہوں نے عرب میں بسنے والے اہل کتاب سے مدد چاہی۔ یہود نے آپ کی نبوت کو پرکھنے کے لئے سوالات ترتیب دے کر مشرکین مکہ سے کہا کہ ان سے یہ سوال کریں۔ اگر وہ سچے نبی ہیں، تو ان کا جواب آسمانی کتب کے مطابق دیں گے ورنہ خود سے کچھ گھڑنے کی سعی کریں گے اور یوں حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

ان سوالات کی تفصیل تفسیر و حدیث کی مستند کتابوں میں یوں درج ہے کہ انہوں نے پوچھا:

۱۔ روح کی حقیقت کیا ہے؟

۲۔ اصحاب کہف سے متعلق تفصیلات کیا ہیں؟

۳۔ ذوالقرنین کے بارے میں حقیقت کیا ہے؟

روح کی حقیقت

ان تینوں سوالات کے جوابات اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتائے پہلا سوال روح سے متعلق تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيلاً

اور وہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دیں کہ وہ میرے رب کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۸۵)

اس میں وضاحت کر دی گئی کہ روح کی حقیقت کو جاننا تمہارے بس کی بات نہیں کیونکہ انسان کے پاس اس قدر علم نہیں کہ وہ اس قدر باریک اور لطیف مسائل کی حقیقت جان سکے۔

سابقو الیٰ مغفرة من ربکم (حدید/ ۷)

اپنے رب کی مغفرت کی طرف ایک دوسرے پر سبقت کرو۔